استقامت قرآن کریم اور روایات اہل بیتؑ کی روشنی میں

سید فضل شاہ الموسوی غاسینگ[1]

خلاصہ

راہِ خدا میں استقامت اور ثابت قدمی اسلامی معارف میں ایک نہایت بنیادی مفہوم کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآنِ مجید اور اہلِ بیتِ اطہارؑ کی روایات میں استقامت پر غیر معمولی زور دیا گیا ہے، یہاں تک کہ ثابت قدمی کو بشریت کی ہدایت، دنیا و آخرت میں انسان کی نجات اور الطافِ الٰہی کے نزول کی ایک اساسی شرط ہے۔ اسی طرح استقامت کو اعمال کی قبولیت کا معیار، ایمان کی صداقت کو پرکھنے کا میزان اور اطاعت و بندگی کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

زیرِ نظر مقالے میں ہم نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کی آیاتِ اور اہل بیتؑ کی معتبر روایات کی روشنی میں استقامت کے مفہوم کو واضح کرنے کے علاوہ، اس کے مختلف اقسام کا تعارف کرائیں اور ان اسباب و عوامل کو بیان کریں جو ثابت قدمی کی بنیاد کو مضبوط کرتے ہیں۔ نیز ان عناصر کی نشاندہی کریں جو انسان کو راہِ حق سے منحرف کردیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآنی، اخلاقی، اعتقادی اور انسان کی فردی و اجتماعی زندگی پر استقامت کے اثرات کا بھی تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ حقیقت بھی واضح ہوں کہ استقامت صرف فرد کی ایمانی بقا اور روحانی رشد کا ذریعہ نہیں، بلکہ ایک ایسا بنیادی عنصر ہے جو معاشرے کو توحیدی سانچے میں ڈھالنے، انبیاءِ الٰہی اور اولیاءِ خدا کی قربانیوں و مجاہدات کے ثمرات کی حفاظت، اور اسلامی اقدار کے تسلسل کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: استقامت، قرآن کریم، روایات، اہل بیتؑ

مقدمہ

استقامت، سیر و سلوک الی اللہ کے بنیادی ارکان میں سے ایک اور اسلامی فکری نظام میں اہم ترین اخلاقی فضائل میں شمار ہوتی ہے۔ مومن انسان خدا کی بندگی کے راستے میں ہمیشہ الٰہی آزمائشوں، نفسانی دباؤ، شیطانی وسوسوں اور سماجی چیلنجز کا سامنا کرتا ہے، اور اگر اس میں استقامت کی روح موجود نہ ہو تو اس کے لیے راہِ حق پر ثابت قدم رہنا اور انسانی کمال تک پہنچنا ممکن نہیں رہتا۔ اسی بنا پر استقامت کو ایک بنیادی اصول کی منقامت کو ایمان کے ہم پلہ قرار دیا ہے اور اہلِ استقامت کو عظیم الٰہی بشارتوں کا مستحق

---

[1]۔ کارشناسی ارشد، مجتمع فقہ واصول، جامعہ المصطفیٰ العالمیہ، پاکستان

ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (وبشری المحسنین ان الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا) (احقاف، ۱۳) اور نیکوکاروں کو بشارت دو، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر استقامت اختیار کی۔

یہ آیت واضح طور پر اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ استقامت، روحانی سکون اور غیبی الٰہی مدد سے بہرہ مند ہونے کی شرط ہے اور یہی خدا کی طرف سے بشارت ہے۔ انسانوں کے حق میں احسان کا مطلب ان کے ساتھ نیکی کرنا ہے، جبکہ خدا کے حق میں اس کا مفہوم راہِ خدا میں استقامت اختیار کرنا ہے۔ (طباطبائی، محمد حسین، المیزان، ج ۴، ص ۲۷)

اہل بیتؑ کی روایات میں بھی استقامت وثابت قدمی کو بلند مقام و مرتبہ حاصل ہے اور بہت تاکید کی گئی ہے اور انہون نے اپنی زندگی میں عملی طور پر کرکے دیکھائے ہیں امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: (اَلْإِيمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَعَقْدٌ فِي الْقَلْبِ وَعَمَلٌ بِالْأَرْكَانِ) (کلینی، الکافی، ج ۲، ص ۲۷) ایمان وہ ہے جو زبان سے اقرار کرنا، دل سے عہد و پیمان بہاندنا اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنا۔

یہ روایت ایمان اور عمل کے درمیان گہرے ربط کو بیان کرتی ہے جو استقامت کے سائے میں ہی ممکن ہے، کیونکہ استقامت کے بغیر انسان اپنے ایمان اور اقرار کے مطابق عمل نہیں کر سکتا۔ ایمان کی راہ میں استقامت کے لیے تقویٰ، زہد، صبر، توکل اور قیامت پر ایمان ضروری ہے، نیز اس راستے میں موجود تمام رکاوٹوں کی معرفت بھی لازم ہے مثلاً دنیا طلبی اور بی ایمانی وغیرہ

عصرِ حاضر کے پیچیدہ ثقافتی، اعتقادی اور سماجی حالات کے پیشِ نظر، راہِ خدا میں استقامت کے مفہوم کی علمی اور مستند وضاحت کی ضرورت بن چکی ہے۔

لہٰذا اس مقالے میں ہم کوشش کریں گے کہ اسلامی مصادر کی روشنی میں استقامت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے اور مومن انسان کی تربیت اور اسلامی تمدن کی تشکیل میں اس کے کردار کو واضح کیا جائے۔

لغت اور اصطلاح میں استقامت

لغوی معنی

لفظ استقامت، مادۂ «قوم» سے ماخوذ ہے، جو لغت میں ثابت قدمی، پائیداری، اعتدال اور ثبات کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اپنے پوزیشن پر کھڑا رہنا، ابن فارس اپنی معروف لغوی تصنیف مقاییس اللغۃ میں کہتے ہیں کہ اس مادہ کے اصل معنی قیام اور ثبات پر دلالت کرنے والا ہے۔ اسی طرح راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ جس راستے پر سیدھی لکیر کی مانند اعتدال اور استواء پایا جائے، اسے استقامت کہا جاتا ہے۔ (راغب، حسین بن محمد، مفردات فی غریب القرآن ج ۱، ص ۳۷۹)

فخر الدین طریحی مجمع البحرین میں استقامت کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ استقامت کسی امر میں اعتدال کا نام ہے۔ (مجمع البحرین ج ۳، ص ۵۶۶)

شیخ طوسیؒ اپنی تفسیر تبیان میں فرماتے ہیں کہ استقامت حق اور صحیح راستے پر تسلسل اور دوام کا نام ہے، اور جب یہ دوام کسی باطل یا غلط سمت میں ہو تو اسے استقامت نہیں کہا جاتا۔

اصطلاحی معنی

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں استقامت سے مراد ایمان پر شعوری، مسلسل اور ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہنا، اطاعتِ الٰہی کی پابندی کرنا، گناہوں سے اجتناب کرنا ہے، اور اسی طرح انسان کا افراط و تفریط کے راستے سے منحرف نہ ہونا ہے۔ علامہ طباطبائی نےؒ المیزان میں استقامت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ استقامت سے مراد صراطِ مستقیم پر اعتدال کے ساتھ ثابت قدمی اور اعمال میں میانہ روی کرنا ہے۔ (المیزان، ج ۱۱، ص ۴۸)

استقامت کا قرآنی مفہوم

قرآنِ کریم استقامت کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حقیقی اقرار کا لازمی نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے (اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا) (فصلت، ۳۰)

آیت میں لفظ «ثم» کی ترتیب اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ استقامت توحید کا حقیقی تقاضا اور اس کا لازمہ ہے۔ ہدایتِ الٰہی کا تسلسل اور بقا بھی استقامت کے سائے میں ہی ممکن ہے۔ اسی حقیقت کو قرآنِ کریم ایک اور مقام پر یوں بیان کرتا ہے (وَلَوِاسۡتَقَامُوۡا عَلَی الطَّرِیۡقَۃِ لَاَسۡقَیۡنٰہُمۡ مَّآءً غَدَقًا) (جن، ۱۶) یہ آیت استقامت کے مادی اور معنوی دونوں قسم کے آثار پر دلالت کرتی ہے۔ مزید برآں قرآنِ کریم استقامت کے نتیجے میں اللہ کی بشارت، نزولِ ملائکہ اور قلبی و روحانی اطمینان کو بھی بیان کرتا ہے: (تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا» (فصلت، ۳۰)

اہل بیتؑ کی روایات میں استقامت کا مفہوم

روایات اہل بیت علیہم السلام میں استقامت کو دینداری کا بنیادی اور اساسی معیار کہا ہے۔ امیر المؤمنین علیؑ فرماتے ہیں: (اِنَّ الصَّبۡرَ وَالِاسۡتِقَامَۃَ مِفۡتَاحُ النَّجَاۃِ) (نہج البلاغہ، حکمت ۳۱) بتحقیق صبر اور استقامت نجات کی چابی ہے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں: (لا یعدم الصبور الظفر وان طال بہ الزمان) (دشتی، محمد، نہج البلاغہ، ص، ۴۷۳، حکمت، ۱۵۳)

صابر (ثابد قدم) انسان کبھی بھی کامیابی کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ہے اور اگر ہر چند وقت و زمان طولانی ہو جائے۔

مولائے کائناتؑ کا یہ فرمان اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ انسان کی نجات، کامیابی اور فلاح استقامت کے بغیر ممکن نہیں، بلکہ استقامت ہی وہ کلیدی عنصر ہے جو انسان کو دنیا و آخرت کی سعادت تک پہنچاتا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں استقامت

قرآنِ مجید میں جن اہم مسائل پر خاص توجہ دی گئی ہے اُن میں استقامت اور پائیداری سرِ فہرست ہے۔ آیاتِ قرآنی کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن میں استقامت کا گہرا تعلق صبر، حلم، ثابت قدمی کے ساتھ ہے، اور ان میں سے ہر ایک لفظ پائیداری کے ایک خاص درجے کی نمائندگی کرتا ہے۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ صبر اور حلم استقامت کا مقدمہ ہیں، ثابت قدمی دوسرا مرحلہ ہے، اور اصل استقامت تیسرا اور سب سے اہم مرحلہ ہے جو انسان کو حقیقی راہ تک پہنچاتا ہے۔

قرآنِ کریم کے مطابق استقامت کا نتیجہ خدا کی طرف سے غیبی امداد کا حصول اور خوف و حزن سے نجات ہے۔

قرآنِ مجید میں استقامت کے مختلف مصداق اور تمثیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نہایت بلیغ اور مؤثر مثال سورۂ فتح، آیت ۲۹ میں ملتی ہے، جہاں رسولِ اکرم ﷺ کے خاص اصحاب اور آپ کے حقیقی پیروکاروں کی ایسی جامع تصویر پیش کی گئی ہے جو تورات اور انجیل کے حوالے سے بیان ہوئی ہے۔ یہ تصویر تمام زمانوں کے مسلمانوں کے لیے نہایت سبق آموز ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کے اصحاب کی صفات اور ان کے اوصاف کو یوں بیان فرماتا ہے:

(مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ، تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا، سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ، ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ، وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ، وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا) (فتح، ۲۹)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں نہایت مہربان ہیں۔ تم انہیں رکوع و سجود میں مشغول دیکھوگے، وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طالب ہیں۔ سجدوں کے اثر سے اُن کے چہروں پر نورانیت نمایاں ہے۔ یہی ان کی صفت تورات میں ہے، اور انجیل میں ان کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جو پہلے کونپل نکالتی ہے، پھر اُسے مضبوط کرتی ہے، پھر وہ موٹی ہو جاتی ہے اور اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو جاتی ہے، جو کاشتکاروں کو خوش کر دیتی ہے تاکہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ص اور آپ کے اصحاب کی صفات اور استقامت کو بیان فرمایا ہے، استقامت کے معیار کو بیان کیا ہے اور اسی طرح ایک اور جگہ پر قرآنِ مجید میں استقامت کو توحید پر ثابت قدمی اور اس کے عملی تقاضوں پر کاربند رہنے کے عنوان سے بھی تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: (فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ) (ہود، ۱۱۲)

پس آپ استقامت اختیار کریں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ اللہ کی طرف پلٹے ہیں اور سرکشی نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

یہ ایت اشارہ کرتی ہے کہ استقامت ایک الٰہی سنت اور ایک بھاری ذمہ داری ہے جو رسولِ اکرم ﷺ اور اہلِ بیت علیہم السلام کے کاندھوں پر رکھی گئی ہے جیسا کہ جب یہی آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اس عظیم فریضے کی صراحت کے ساتھ نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ (وسائل الشیعہ ج ٦، ص ١٧٢) جو راہِ حق میں استقامت کی سنگینی اور عظمت کی طرف واضح اشارہ ہے۔

یہ آیت اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ استقامت کوئی شخصی سلیقہ پر مبنی عمل نہیں بلکہ خالصتاً ایک الٰہی حکم ہے۔ مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت رسولِ اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی سخت ترین آیات میں سے ہے، کیونکہ اس میں مکمل، ہمہ جہت اور دائمی استقامت کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ آیہ نازل ہونے کے بعد کہتے ہیں کہ آپ ص کے چہرہ مبارک پر عمر رسیدگی کے آثار رونما ہوئے تھے۔ (نجفی، محسن علی، الکوثر فی تفسیر قرآن، ج ۴، ص ١٧١)

استقامت اور فرشتوں کی بشارت

اللہ تعالی نے استقامت کرنے والے مومنین کو بشارت دی ہے آنے والی آیات میں اُن مؤمنین کا ذکر ہے جو اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے افراد کے لیے سات عظیم انعامات اور بشارتوں کا وعدہ فرمایا ہے:

(إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ، نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ، نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ) (مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، ج ٢٠، ص ٢٦٨)

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اس پر ثابت قدم رہے، اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو، اور اُس جنت کی خوشخبری قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی، اور وہاں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کی تمہارے دل خواہش کریں گے، اور ہر وہ نعمت جو تم طلب کرو گے تمہیں عطا کی جائے گی۔ یہ سب کچھ بخشنے والے، مہربان پروردگار کی طرف سے بطور مہمانی ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے سات عظیم نعمتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی بشارت فرشتے مؤمنین کو دیتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ایمان اور استقامت کے سائے میں انسان اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ فرشتے اس پر نازل ہوتے ہیں اور اللہ کا پیغام، رحمت و لطف اس تک پہنچاتے ہیں۔

پہلی بشارت اللہ کی طرف سے ایمان کے بعد استقامت اختیار کرنے والوں پر فرشتوں کا نزول ہے۔

دوسری بشارت خوف اور غم سے مکمل نجات ہے اس کی مثال آج کے اس دور میں ایرانی قوم ہے استقامت کے نتیجے میں ان کے رہبروں میں زرہ برابر خوف نہیں ہے۔

تیسری بشارت جنت کی خوشخبری ہے۔

چوتھی بشارت دنیااور آخرت میں فرشتوں کی دائمی ولایت اور مدد ہے۔

پانچویں بشارت جنت میں ہر دل پسند نعمت کا حصول ہے۔

چھٹی بشارت مادی کے ساتھ ساتھ تمام روحانی خواہشات کی تکمیل ہے۔

ساتویں اور آخری بشارت جنت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی مہمانی، جو اس کے غفور ورحیم ہونے کی روشن دلیل ہے۔ (تفسیر نمونہ ج۲۰، ص۲۶۸)

روایات اہل بیت علیہم السلام کی روشنی میں استقامت سے مراد

استقامت اسلامی معارف میں ان بنیادی اخلاقی و اعتقادی اصولوں میں سے ہے جن پر انسانی ایمان کی بقااور دینی زندگی کی پائیداری موقوف ہے۔ روایاتِ اہل بیت علیہم السلام میں استقامت کو ایمان کی روح اور بندگیِ خدا کی اساس قرار دیا ہے۔ ان روایات کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ایمان محض اعتقادی دعویٰ نہیں بلکہ ایک عملی حقیقت ہے، جس کی صداقت اور دوام کا معیار استقامت ہے یہی وجہ ہے کہ معصومینؑ نے بارہا اس امر پر تاکید فرمائی ہے کہ مومن کی پہچان آزمائشوں، فتنوں اور مشکلات کے مواقع پر ثابت قدمی اور صبر سے ہوتی ہے۔

روایات اس نکتے کو بھی نمایاں کرتی ہیں کہ استقامت انسان کو نفسانی خواہشات، شیطانی وسوسوں اور خارجی دباؤ کے مقابلے میں تحفظ فراہم کرتی ہے اور اسے صراطِ مستقیم پر باقی رکھتی ہے۔ اہل بیت علیہم السلام کے فرامین کے مطابق، جو شخص راہِ حق میں ثابت قدم رہتا ہے وہی درحقیقت الٰہی ہدایت کا حقیقی مصداق بنتا ہے اور اس کے اعمال بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کے لائق ٹھہرتے ہیں۔ چنانچہ روایات میں استقامت کو نہ صرف فردی نجات کا ذریعہ بلکہ اجتماعی دینی حیات کے تسلسل اور معاشرے کی روحانی استحکام کا ضامن قرار دیا ہے۔ روایات میں صبر کی بہت زیادہ تاکید ملتی ہے علماء فرماتے ہیں کہ قرآن و روایات میں متعدد جگہوں پر صبر، استقامت کے معنی میں آیا ہے صبر کا معنی حق کی راہ میں استقامت ہے۔

انسان کو چاہیے کہ مشکلات اور گرفتاریوں کے ازالے کے لیے ثابت قدمی اختیار کرے۔ ہم یہاں پر چند روایات ذکر کریں گے تاکہ استقامت کے مختلف صورتوں کو واضح کر سکوں:

۱۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں صابر کی تین نشانیاں ہیں: (عَلامَةُ الصّابِرِ فی ثَلاثٍ: اَوّلُها اَن لا یَکسَلَ وَالثّانِیَةُ اَن لا یَضجَرَ وَالثّالِثَةُ اَن لا یَشکُو مِن رَبِّهِ تَعالی) (محمدی ری شہری، محمد، میزان الحکمۃ، ج۲، ص ۱۵۶۳، صدوق، محمد بن علی، علل الشرائع، ج۲، ص۴۹۸)

پہلی یہ کہ وہ سستی نہیں کرتا ہے

دوسری یہ کہ وہ سختیوں سے گھبرا نہیں جاتا ہے

اور تیسری یہ کہ وہ اپنے پروردگارِ متعال سے شکایت نہیں کرتا ہے

۲۔امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: »اِنَّ الصَّبرَ وَالبِرَّ وَالحِلمَ وَحُسنُ الخُلقِ مِن اَخلاقِ الاَنبِیاء) (بابویہ، محمد بن علی، خصال، ج۱، ص ۲۵۲)

بے شک صبر، نیکی، بردباری اور اچھے خلاق انبیاءؑ کے اخلاق میں سے ہیں۔

یعنی صبر، نیکوکاری، حلم اور خوش اخلاقی انبیائے الٰہی کی صفات ہیں، یہ ساری صفات اس وقت ہاتھ آجاتی جب ثابت قدم رہے۔

۳۔امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: (مَن صَبَرَ عَلی مُصیبَۃٍ زادَہُ اللہُ عِزّاً اِلی عِزِّہ وَاَدخَلَہُ الجَنَّۃَ مَعَ مُحَمَّدٍ وَآلِ بَیتِہِ) (صدوق، محمد بن علی، ثواب الاعمال، ص ۲۳۵) جو شخص کسی مصیبت پر صبر کرتا ہے، اللہ اس کی عزت پر مزید عزت کا اضافہ فرماتا ہے اور اسے محمد ﷺ اور ان کے اہلِ بیتؑ کے ساتھ جنت میں داخل فرماتا ہے۔

۴۔امام علیؑ فرماتے ہیں: اس بات سے بچو کہ اللہ تمہیں گناہ کرتے ہوئے دیکھے یا اطاعت کے وقت تمہیں غائب پائے، ورنہ تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤگے۔ پس جب قوت ہو تو اللہ کی اطاعت میں قوت استعمال کرو، اور جب کمزور ہو جاؤ تو اللہ کی نافرمانی سے کمزور ہو جاؤ۔ (عاملی، محمد بن حسن، وسائل الشیعہ، ج۱۱، ص ۱۸۹)

اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہیں کہ اللہ کی اطاعت میں ثابت قدم رہو اور اس کی نافرمانی سے بچو، گناہوں سے بچنا وہ بھی پنہانی میں اور پنہانی میں اس کی اطاعت کرنا ثابت قدمی ہے۔

۵۔امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: تم پر لازم ہے کہ اپنے تمام امور میں صبر اختیار کرو، کیونکہ اللہ عزوجل نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور انہیں صبر اور نرمی کا حکم دیا۔ (نراقی، محمد مھدی، جامع السعادات، ج ۳، ص)

روایات میں ولایت اھل ابیتؑ پر ثابت قدم رہنے کو بھی استقامت کیا گیا ہے امام جعفر صادقؑ اس آیت «اِنَّ الَّذِینَ قَالُوا رَبُّنَا اللہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا» کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اس سے مراد ہمارے وہ شیعہ ہیں جو ہماری ولایت پر ثابت قدم رہے۔ (قمی، علی بن ابراھیم، تفسیر قمی ج ۲، ص)

ان تمام روایات سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتے ہیں کہ اہل ابیتؑ کے نزدیک استقامت کی کتنی اہمیت ہے، علماء فرماتے ہیں قرآن کریم اور روایات میں متعدد جگھوں پر کلمہ صبر، استقامت کے معنی میں آیا ہے صبر کرو یعنی ثابت قدم رہو، استقامت کرو، اس کو مومنیں کی علامت قرار دیا ہے، یہ انبیاء الٰہی کی صفات میں سے ہے، تمام انبیاء نے استقامت کے ذریعے سے دین اسلام کی تشریح کی اور دین حق کو پھلایا اور خالصتا اس کو ہم تک پہنچائے۔

استقامت کے مختلف پہلو

اعتقاد میں استقامت، اخلاق میں استقامت اور عملی میدان میں استقامت

استقامت اسلامی تعلیمات کا ایک بنیادی اور ہمہ گیر مفہوم ہے جو فرد کی فکری ساخت، اخلاقی کردار اور عملی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ قرآن وسنت کی رو سے مومن کی پہچان صرف ایمان کا اقرار نہیں بلکہ ایمان پر ثابت قدمی اور حالات کی سختیوں

میں دین کے اصولوں پر ڈٹے رہنا ہے۔ موجودہ فکری، ثقافتی اور سیاسی چیلنجز کے تناظر میں استقامت کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے، کیونکہ مومن ہر سطح پر آزمائشوں سے دوچار ہوتا ہے۔ یہاں استقامت کے اعتقادی، اخلاقی اور عملی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ظالم، جابر اور طاغوت کے مقابلے میں استقامت کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ اعتقاد میں استقامت

اعتقاد میں استقامت سے مراد دین کے بنیادی اصولوں، خصوصاً توحید، نبوت، امامت اور معاد پر پختہ ایمان اور ثابت قدمی ہے۔ مومن فکری شبہات، اعتقادی انحرافات اور ثقافتی یلغار کے باوجود اپنے صحیح عقائد کی حفاظت کا پابند ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم مومنین کے اس اعتقادی ثبات کو یوں بیان کرتا ہے: (یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِینَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ) (آل ابراہیم، ۲۷) اللہ ثابت قدم رکھتا ہے، جنہوں نے ایمان لے آئے اپنے قول اور گفتار کے ساتھ ثابت رہے۔

یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو صحیح عقائد اور مضبوط ایمان کے ذریعے ثابت قدم رکھتا ہے، خصوصاً دنیا اور آخرت کی آزمائشوں میں، انسانی زندگی میں کامیابی کا راز استقامت میں منحصر ہے۔

۲۔ اخلاق میں استقامت

اخلاقی استقامت سے مراد یہ ہے کہ انسان سخت ترین حالات میں بھی اخلاقی فضائل جیسے صدق، عدل، عفت، حلم اور تواضع کو ترک نہ کرے۔ اخلاقی کمزوری اکثر انسان کو اعتقادی اور عملی انحراف کی طرف لے جاتی ہے، اس لیے اخلاقی استقامت کو دینی زندگی کی بنیاد کہا جا سکتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: » مَنِ اسْتَقَامَ خُلُقُهُ طَابَ عَيْشُهُ «

یعنی جس کے اخلاق میں استقامت ہو، اس کی زندگی پاکیزہ اور خوشگوار ہو جاتی ہے۔

یہ حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ فرد اور معاشرے کی فلاح کا انحصار اخلاقی استقامت پر ہے اور رسول خدا ﷺ کی اخلاقی استقامت کی وجہ سے اسلام پھیلا ہے آپ ص کے اخلاق حسنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: (فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ) (آل عمران، ۱۵۹)

۳۔ عملی میدان میں استقامت

عملی استقامت سے مراد واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کے تسلسل میں ثابت قدمی ہے بالخصوص ان حالات میں جب سماجی، سیاسی یا معاشی دباؤ انسان کو دینی ذمہ داریوں سے غافل کرنے کی کوشش کرے۔ قرآنِ کریم اس نوع کی استقامت کی طرف یوں رہنمائی کرتا ہے: (وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ) (حجر، ۹۹) اور اپنے رب کی عبادت کریں یہاں تک کہ آپ کو یقین آ جائے۔

یہ آیت عبادت اور بندگی میں ہمیشگی اور پایداری کا پیغام دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ مومن کی عملی زندگی استقامت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی ہے۔

۴۔ ظالم اور طاغوت کے مقابل میں استقامت

اسلامی تعلیمات میں استقامت کا ایک اہم پہلو ظلم، ظالم، طاغوت اور فتنہ پرور طاقتوں کے مقابلے میں مزاحمت ہے۔ قرآنِ کریم مسلمانوں کو دین کے دشمنوں کے مقابلے کے لیے ہر سطح پر آمادگی کا حکم دیتا ہے۔ سورۂ انفال میں ارشاد ہوتا ہے: (وَاَعِدُّوا لَهُم مَا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ) (انفال، ۶۰) اور ان سے مقابلے کیلئے تم سے جہاں تک ہو سکے طاقت مہیا کرو۔

یہ آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلامی معاشرہ کو فکری، عسکری اور سماجی لحاظ سے مضبوط ہونا چاہیے تاکہ وہ ظلم کے سامنے سر نہ جھکائے اور دشمن سے مقابلے کیلئے تیار رہے۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں ارشاد فرما ہے:

(وَقَاتِلُوهُم حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ) (بقرہ، ۱۹۳) اور تم ان سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کیلئے ہو جائے۔

یہ آیت فتنہ و فساد کے خاتمے اور اللہ کی حاکمیت کے قیام تک جدوجہد کی اہمیت کو بیان کرتی ہے۔

اور اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: (اِفضلُ الجهادِ كَلِمَةُ عدل عِندَ امام جائر) (الکافی ج ۵، ص۶۰) ظالم، جابر حکمرانوں کے سامنے عدل و انصاف کی بات کرنا بہترین جہاد ہے۔

اسی مطلب کے ایک اور روایت نقل ہوئی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں: (اِفضلُ الجهادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِندَ سُلطانٍ جائر) (ابن ابی جمہور، عوالی اللئالی، ج۱، ص ۴۳۲) اس روایت میں کلمہ حق آیا ہے اور پہلی روایت میں عدل آیا ہے مفہوم کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہے اور یہ احادیث اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ ظلم کے مقابلے میں حق گوئی اور مزاحمت کرنا اعلیٰ ترین جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔

۵۔ عصر حاضر کے تناظر میں استقامت

شہید مقاومت رہبرِ معظم انقلاب اسلامی حضرت امام خامنہ ایؒ کے فرامین کے مطابق، مزاحمت و استقامت محض ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ایک دائمی الہی سنت ہے۔ (آپ اس سنت الہی کے راہ پر مقاومت کرتے ہوئے جام شہادت نوشت فرمایا) عصر حاظر میں غزہ کے مظلوم عوام کی مزاحمت اس حقیقت کی زندہ مثال ہے کہ ایمان اور استقامت، شدید دباؤ اور عالمی استکبار کی حمایت کے باوجود، باطل طاقتوں کو پسپا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

استقامت ایک عظیم نعمت جس نے ہر زمانے میں ظالم و جابر حکومتوں ذلیل و خوار کردیا ہے اور ایک جامع اسلامی قدر ہے جو اعتقادی پختگی، اخلاقی بلندی، عملی پایداری اور ظلم وظالم کے مقابل جرات مندانہ موقف کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ فرد اور

معاشرہ جب تک استقامت کو اپنی زندگی کا اصلی محور نہیں بناتے، اس وقت تک حقیقی کامیابی ممکن نہیں۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات ہمیں یہ پیغام دیتی ہیں کہ استقامت ہی وہ راستہ ہے جو مومن کو دنیا میں عزت اور آخرت کی نجات تک پہنچاتا ہے۔

استقامت کو تقویت دینے والے عوامل

مؤمن انسان اپنی زندگی میں مختلف امتحانات، نفسانی خواہشات، شیطانی وسوسوں اور سماجی دباؤ کا سامنا کرتا ہے اور ان تمام مراحل میں ثابت قدمی کے بغیر اس کا حق کے راستے پر قائم رہنا ممکن نہیں۔ اسی لیے دینِ اسلام نے استقامت کے حصول اور اس کے استحکام کے لیے متعدد عملی و فکری عوامل بیان کیے ہیں۔ ان کو بیان کرنے سے پہلے چند نقطے بیان کروں گا کیونکہ استقامت تک پہنچنا اور اس کی دوام ان پر مشتمل و منحصر ہے۔

آیت اللہ یعقوبی فرماتے ہیں کہ ہم ہر روز نماز میں اللہ تعالی سے ہدایت اور ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں لیکن اس دعا کی قبولیت اور دوام چند امور کی رعایت سے مشروط ہے:

اول: سچا عزم اور مضبوط ارادہ

استقامت کی پہلی شرط خالص نیت، مضبوط ارادہ اور فیصلوں میں شجاعت ہے، نیز صحیح فیصلوں کے بعد عملی اقدامات میں کوتاہی نہ کی جائے۔

دوم: دینی معرفت اور علمی مطالعہ

معصومینؑ کی روایات اور صالح علماء کے آثار اور زندگی کا گہرا مطالعہ کرنا ضروری ہے کیونکہ ہر عمل سے پہلے انسان کو صحیح معرفت اور عمیق فہم کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔

سوم، انحراف کے اسباب پر توجہ

استقامت کے راہ میں کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ ان چیزوں کی پہچان ہونا جو منحرف ہونے کے سبب بنتے ہیں۔

ان تمام عوامل پر نظر رکھنا ضروری ہے جو انسان کو صراطِ مستقیم سے ہٹا سکتے ہیں تاکہ وہ ان میں گرفتار نہ ہو۔ (یعقوب، محمد ،استقامت در اندیشہ ہای مرجعیت، ص ۱۷)

۱۔ ایمان کا راسخ ہونا

خداوندِ متعال پر گہرا اور راسخ ایمان استقامت کا سب سے بنیادی سرچشمہ ہے۔ جتنا ایمان مضبوط ہوگا، اتنی ہی ثابت قدمی اور روحانی طاقت میں اضافہ ہوگا۔ محض زبانی دعویٰ کافی نہیں، بلکہ ایمان کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں نافذ کرنا ضروری ہے۔ بہت سے لوگ اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر خواہشات اور مفادات کے طوفان میں ان کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: »قَالُوا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا«
تم نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، اب اس بات پر قائم رہو، اس کی کتاب کے احکام پر، اس کے مقرر کردہ راستے پر اور اس کی صحیح عبادت کے طریقے پر استقامت اختیار کرو۔ اس دائرے سے باہر نہ نکلو، دین میں بدعت نہ ڈالو اور اس کی مخالفت نہ کرو۔

رسولِ اکرم ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا: لوگوں نے یہ کلمہ کہا، پھر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے؛ لیکن جو شخص اسے کہے اور مرتے دم تک اس پر قائم رہے، وہی اہلِ استقامت میں سے ہے۔

۲۔ خدا پر توکل کرنا استقامت کی بنیاد

توکل کا مفہوم یہ ہے کہ انسان پوری طاقت صرف کرے، تمام اسباب کو بروئے کار لائے، اور پھر نتیجے کو مکمل اعتماد کے ساتھ خدا کے سپرد کر دے۔ توکل کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر معجزے کا انتظار کرے، بلکہ توکل جدوجہد کے بعد قلبی اطمینان کا نام ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے: (وَاعْتَمِدُوا عَلَى اللّٰہِ إِنَّہُ أَوْلَىٰ كُلِّ أَمْرٍ) (آل عمران، ۱۵۳) اور اللہ پر بھروسا کرو، بے شک وہ ہر کام کے لیے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: (توکل علی اللہِ واجتہد فیما اُمرت بہ، فإنّ اللہَ تعالی لا یُعطی عبداً توکلَ علیہ إلّا وإعطاہ ما یَسأل) (نہج البلاغہ، حکمت ۱۵۸)

اللہ پر توکل کرو اور اس حکم میں کوشش کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے، کیونکہ جو بندہ اللہ پر توکل کرتا ہے، اللہ اس کی حاجت عطا فرماتا ہے۔

یہ تعلیم واضح کرتی ہے کہ توکل اور کوشش لازم و ملزوم ہیں، اور یہی باہمی تعلق استقامت کو جنم دیتا ہے۔

۳۔ صبر استقامت کی روح

صبر مشکلات، مصائب اور آزمائشوں میں امید، سکون اور ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کرنے کا نام ہے۔ صبر محض تکلیف سہنے کا نام نہیں بلکہ ایک اعلیٰ اخلاقی صفت ہے جو انسان کو راہِ حق پر قائم رکھتی ہے۔

قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے: (اَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَکُونُوا رَابِطِینَ) (آلِ عمران: ۲۰۰)

اے ایمان والو، صبر کرو، صبر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو اور دین پر مضبوطی سے قائم رہو۔

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: «الصَّبرُ مِفتاحُ الفَرَجِ» (حرانی، ابو محمد حسن، تحف العقول، ص ۲۰۷) صبر، کشادگی کی کنجی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: (الصَّبرُ مِفتَاحُ کُلِّ خَیرٍ) (کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی، جلد ۲، باب الصبر و تحمل، ص ۲۷۷) صبر ہر خیر کی کنجی ہے۔

امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے: (الصَّبرُ عَلَی البَلاءِ یُطَهِّرُ القَلبَ) (نوری، حسین بن محمد، مستدرک الوسائل، جلد ۱، باب ۱۳، ص ۲۸۳) مصیبت پر صبر دل کو پاک کر دیتا ہے۔

یوں صبر، استقامت کو اندرونی طاقت عطا کرتا ہے اور انسان کو شکست کے احساس سے محفوظ رکھتا ہے، جب انسان پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو وہ اندر سے کمزوری احساس کرتا ہے اور ذہنی و فکری اعتبار سے کمزور ہو جاتا ہے، ان حالات میں صبر و استقامت کے دامن کو نہ چھوڑے تو وہ انسان کامیاب ہو جاتا ہے، پریشانی اور مصیبتوں سے بچ کے رہے گا۔

توکل اور صبر کا باہمی تعلق

توکل انسان کو قلبی اطمینان عطا کرتا ہے، جبکہ صبر اس اطمینان کو آزمائشوں میں برقرار رکھتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: (وَتَوَکَّل عَلَی اللّٰہِ وَکَفیٰ بِاللّٰہِ وَکِیلًا) (نساء: ۸۱) اور اللہ پر توکل کرو، وہی کافی ہے

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: (مَن تَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ کَفاہُ اَمرُہُ کَما کَفَی الشَّجَرَ جَذرُہا) (صدوق، محمد بن علی، عیون اخبار الرضا (ع)، جلد ۲، ص ۲۹۷) جو اللہ پر توکل کرے، اللہ اس کے کام کے لیے کافی ہو جاتا ہے، جیسے درخت کے لیے اس کی جڑ کافی ہوتی ہے۔

۴۔ صالح و نیک عمل

انسان کی حقیقی قدر ایمان اور عملِ صالح میں پوشیدہ ہے، جیسا کہ رسولِ خدا ﷺ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: مجھے ایسا دستور دیں جسے تھام کر میں نجات پا جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو: میرا رب اللہ ہے، پھر اس پر استقامت اختیار کرو۔

خدا کی ہمہ وقت یاد اور آخرت کا یقین، خداوندِ متعال کی دائمی یاد انسان کو لغزشوں سے محفوظ رکھتی ہے: (إِنَّ الَّذِینَ یَخشَونَ رَبَّهُم بِالغَیبِ لَهُم مَغفِرَۃٌ وَأَجرٌ کَبِیرٌ) (ملک: ۱۲) یقینا جنیوں نے غائیبانہ اپنے رب کا خوف کرتے ہیں ان کیلئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

قرآن اعلان کرتا ہے کہ قیامت کے دن ذرہ برابر نیکی یا بدی بھی نظر انداز نہیں ہوگی (فمن یعمل مثقال ذرۃ خیر یرۃ و من یعمل مثقال ذرۃ شر ایرۃ) (زلزال: ۷-۸)

ان آیات سے ہمیں معلوم یوتے ہیں کہ صالح عمل استقامت کیلئے ضروری ہے

۵۔ معاد پر ایمان

امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: (النَّاسُ نِیامٌ فَإِذا ماتُوا انتَبَهُوا) (شریف رضی، محمد بن حسین، خصایص الائمہ، ص ۱۱۲) لوگ سوئے ہوئے ہیں، جب مر جاتے ہیں تو بیدار ہوتے ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں: (الکَیِّسُ مَن دانَ نَفسَهُ وَعَمِلَ لِما بَعدَ المَوتِ) (ابی فراس حلی، مجموعہ ورام، ج ۱، ص ۲۴۳) عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے۔

ان روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معاد اور قیامت پر توجہ رکھنے کی ضرورت ہے اس پر مضبوط ایمان ہی انسان کو استقامت کرنے پر وادار کرتا ہے یہ تمام تعلیمات انسان کو استقامت، تقویٰ اور خود سازی کی دعوت دیتی ہیں۔

۶۔زہد و تقویٰ استقامت کے عملی ستون:

زہد دنیا کو ترک کرنے کا نام نہیں بلکہ دل کو دنیا کی غلامی سے آزاد کرنا ہے۔قرآن فرماتا ہے:

(وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا) (قصص، ۷۷) اور دنیا سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو بالکل ترک کرنا زھد نہیں ہے بلکہ اس دنیا کے نعمتوں سے بھی استفادہ کرنا اور ان نعمتوں کی قدر جان کر دورست استفادہ کرنا ہی زھد ہے۔

امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: (الزُّهْدُ فِي الطَّلَبِ وَالرِّضَا بِالْقَلِيلِ) زہد یہ ہے کہ کم پر قناعت کی جائے۔

اور امام صادقؑ کے مطابق زہد یہ ہے کہ انسان خدا کی اطاعت پر باقی رہنے کا خواہش مند ہو اور ہر ان چیزوں سے بچے جو دین کو نقصان پہنچائے

تقوی

تقویٰ گناہ سے بچنے اور احکامِ الٰہی پر عمل کا نام ہے۔

امام علیؑ فرماتے ہیں: (التَّقْوَى دارُ الْحِصْنُ الْمَنِيعِ) (مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار ج ۴۷، ص ۲۸۳) تقویٰ ایک مضبوط قلعہ ہے۔اور نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: (التَّقْوَى دار حِصْن عزيز)

اور امام صادقؑ فرماتے ہیں: (مَنْ اَرَادَ اَنْ يَكُونَ عَبْدَ اللّٰهِ فَلْيَخْشَ اللّٰهَ فِي السِّرِّ وَالْجَهْرِ) (محمدی، محمد، میزان الحکمت، ج ۱، ص ۲۱۶) جو شخص خفیہ اور علانیہ خدا سے ڈرتا ہے، وہی حقیقت میں خدا کا بندہ ہے۔

ایمان عمیق، دینی کی معرفت، آخرت پر یقین، زہد اور تقوی یہ سب استقامت کے باہم مربوط ستون ہیں۔استقامت کوئی وقتی کیفیت نہیں بلکہ ایک مسلسل جدوجہد اور دائمی راستہ ہے۔جو انسان ان اصولوں کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرتا ہے، وہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

استقامت کے راہ میں رکاوٹیں

۱۔دنیا پرستی: استقامت کی سب سے بڑی رکاوٹ

دنیا کی محبت اور اس کی لذتوں میں حد سے زیادہ مشغولیت، خدا کی راہ میں استقامت کو کمزور کر دیتی ہے۔قرآنِ کریم خبردار کرتا ہے: (وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ) (آلِ عمران: ۱۸۵) دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔

مزید ارشاد ہوتا ہے: (لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ) (بقرہ، ۱۵۵) تمہارے مال اور اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں: (الدُّنیَا مَخْدَعَۃٌ وَالْخَاطِرُ بِھَا مُغْرِی وَالنَّفْسُ بِھَا مُلْھِی) (نہج البلاغہ خطبہ، ۱۹۶) دنیا فریب دینے والی، خیالات کو دھوکا دینے والی اور نفس کو مشغول کر دینے والی ہے۔

لہٰذا اسلام دنیا کو ترک کرنے کا نہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ استعمال کرنے کا درس دیتا ہے، تاکہ دنیا آخرت کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے اور انسان کو استقامت سے دور ہونے کا سبب نہ بنے۔

۲۔ ایمان کی کمزوری

کمزور ایمان انسان کو سماجی دباؤ، تمسخر، خوف اور فتنوں کے سامنے بے بس کر دیتا ہے۔ ایمان کی کمزوری کے اسباب میں غفلت، گناہ اور دنیا سے حد سے زیادہ محبت شامل ہیں۔

قرآن فرماتا ہے: (وَلَا تَکُونُوا کَالَّذِینَ نَسُوا اللَّہَ فَاَنسَاھُمْ اَنفُسَھُمْ) (حشر، ۱۹) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، تو اللہ نے انہیں خود ان کا وجود بھلا دیا۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: (اَکْمَلُ الْاِیمَانِ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ وَسَدُّ الْفِجَائِرِ) (نوری، حسین بن محمد تقی، مستدرک الوسائل، ص) کامل ایمان، عمل میں اخلاص اور گناہوں کے راستوں کو بند کرنے کا نام ہے

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: (مَنْ اَرَادَ اَنْ یُقَوِّیَ اِیمَانَہُ فَلْیَذْکُرِ اللَّہَ فِی کُلِّ حِینٍ) (کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی ج ۲، ص ۱۷۷،) جو شخص اپنے ایمان کو مضبوط کرنا چاہے، وہ ہر حال میں اللہ کو یاد کرے۔

دنیا پرستی اور اس کی محبت وہ مہلک کام ہے جس سے انسان کے ایمان کمزور ہو جاتا ہے حدیث میں آیا ہے دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ اور بنیاد ہے۔ جب انسان کے دل میں دنیا کی محبت آ جاتی ہے تو اس کے ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور اس سے نافرمانی و گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور راہ خدا میں استقامت سے بڑی رکاوت بن جاتی ہے۔

استقامت کے فردی اور اجتماعی آثار

فردی آثار

روحانی سکون اور قلبی اطمینان:

ثابت قدمی کیلئے آرامش روح اور سکون قلب بہت ضروری ہے جس سے ایک انسان اطمنان حاصل کرتا ہے استقامت انسان کو اضطراب، بی چینی اور تنزلزل سے نجات کا راستہ دکھاتا ہے، اللہ سے قریب ہونی اور رشد معنونی کیلئے زمینہ سازی کرتی ہے جس سے انسان باآسانی اطمنان کے ساتھ اپنی فردی ذمہ داریوں کو انجام دے سکتے ہیں۔

قرآن فرماتا ہے: (اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللَّہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُونَ) (یونس، ۶۲) سنو، جو اولیاء اللہ ہیں انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور وہ رنجیدہ ہوں گے۔

روحانی ترقی اور قربِ الٰہی عبادات پر پابندی اور گناہوں سے اجتناب انسان کو کمال کی منازل تک پہنچاتا ہے۔

اجتماعی آثار

اسلامی معاشرے کا استحکام، استقامت رکھنے والی قوم دشمن کے دباؤ میں نہیں جھکتی۔

اجتماعی استقامت کے بے شمار آثار و نتائج ہیں، جن میں سے ایک نمایاں اثر یہ ہے کہ یہ پوری قوم کو وحدت و یکجہتی کے رشتے میں باندھ دیتی ہے۔ ایسی متحد قوم نہ صرف دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتی ہے بلکہ دشمن کو شکست تسلیم کرنے پر بھی مجبور کر دیتی ہے۔ اجتماعی استقامت معاشرے میں عدل و انصاف کے نظام کو مضبوط کرتی ہے اور اجتماعی اقدار کو استحکام بخشتی ہے۔

عصرِ حاضر میں اس کی روشن مثال ایرانی قوم ہے، جس نے وعدۂ الٰہی پر کامل یقین اور استقامت کے ساتھ عالمی استکباری طاقتوں کے مقابل ڈٹ کر کھڑے ہونے کا عملی ثبوت پیش کیا ہے۔ ایرانی قوم نے ہر مرحلے پر دشمن کی سازشوں کو ناکام بنایا اور مسلسل بیداری و استقامت کے ذریعے اسے پسپا ہونے پر مجبور کیا ہے۔

یہ حقیقت واضح ہے کہ جب کوئی قوم متحد ہو کر استقامت کے راستے پر گامزن ہو جائے تو وہ کبھی شکست سے دوچار نہیں ہوتی۔

ایرانی قوم کی کامیابی کا بنیادی راز نظامِ ولایتِ فقیہ سے مضبوط وابستگی اور اس کی حمایت میں مضمر ہے، جس نے قوم کو فکری، سیاسی اور اجتماعی استحکام و قوت بخشی اور دشمن کے مقابلے میں اس کی صفوں کو متحد و مضبوط رکھا۔ یذید کے خلاف امام حسین علیہ السلام کا قیام و مزاحمت، اجتماعی استقامت کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

سیرۂ معصومینؑ میں استقامت

رسولِ اکرم ﷺ نے شدید اذیتوں کے باوجود دعوتِ الٰہی نہیں چھوڑی اور دین اسلام کو ہم تک پہنچائے، مکہ میں قریش کے ظلم و ستم اور مدینے سے ہجرت یہ سب آپ ص کیلئے دشوار تھا لیکن آپ ﷺ نے ثابت قدمی سے برداشت کئے۔

امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں جان کی قربانی دے کر دین اسلام کو زندہ کیا۔

حضرت فاطمہ زہراؑ نے رحلتِ رسول ﷺ کے بعد حقِ ولایت کے دفاع میں صبر و استقامت کی بے مثال تاریخ رقم کی، تاریخ کہتی ہے آپ سلام اللہ علیہا نے ولایت کی گواہی کیلئے ہر صحابہ کے دروزے گئے۔

واقعہ کربلا کے بعد حضرت زینبؑ نے کربلا سے شام و کوفہ اور دوبارہ مدینہ پہنچنے تک استقامت کا اعلی ترین مثال پیش کی۔

عصرِ حاضر میں استقامت کی مثال

شہید رہبرِ معظم امام خامنہ ایؒ فرماتے تھے: جنگ کے آغاز سے آج تک میں ایک دن بھی ناامید نہیں ہوا۔ مجھے یقین تھا اور ہے کہ مستقبل ہمارا ہے، کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

یہ کلمات عصرِ حاضر میں استقامت، امید اور توکل کا زندہ نمونہ ہیں اور آپ کی باتیں توکل الی اللہ کی سب سے بڑی نشانی ہے، الٰہی بندہ ایسا کہہ سکتا ہے۔

توکل، صبر، ترکِ دنیا طلبی اور مضبوط ایمان، یہ سب استقامت کے ایسے عناصر ہیں جو فرد اور معاشرے دونوں کو مضبوط بناتے ہیں۔ استقامت انسان کو خوف، مایوسی اور شکست سے نجات دے کر دنیا و آخرت میں کامیابی کی راہ پر گامزن کرتی ہے۔

جمع بندی اور نتیجہ :

سعادت اور کامیابی کا روشن راستہ استقامت میں پوشیدہ ہے، اور قربِ الٰہی تک پہنچنے کا طریقہ ایمان، تقویٰ، صلح اور عدل پر ثابت قدمی کے بغیر ممکن نہیں۔ راہِ خدا میں استقامت انسان کی پاکیزگی، طہارت اور حقیقی حیات کا سبب بنتی ہے، اور جس طرح نور جسمانی زندگی کا باعث ہے، اسی طرح استقامت انسانی فرد اور معاشرے کی روح و جان کو زندہ رکھتی ہے۔ یہی استقامت ہدایتِ الٰہی کا معیار اور رحمتِ خداوندی سے بہرہ مند ہونے کی شرط ہے، کیونکہ خدا کی رحمت کے سمندر تک پہنچنے کا راستہ استقامت میں رکھا گیا ہے۔ لہٰذا استقامت مومن کی نمایاں علامت قرار پائی ہے۔ جب کوئی فرد یا معاشرہ دین میں تفرقہ اور انحراف کا شکار ہوتا ہے تو سب سے پہلے استقامت کی روح کھو دیتا ہے۔ یہ اختلافات محض جہالت کا نتیجہ نہیں ہوتے، بلکہ اکثر کینہ پروری، دنیا طلب علماء اور متعصب عوام کی پیدا کردہ سازشوں کا ثمر ہوتے ہیں۔ حالانکہ دینِ حق ہمیشہ وحدت، آگاہی اور استقامت کی دعوت دیتا ہے۔ جو قوم حق شناس، وقت شناس اور دشمن شناس ہو، وہ ہمیشہ استقامت کے ساتھ اپنے الٰہی رہبر کے شانہ بشانہ کھڑی نظر آتی ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ استقامت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو پہچانیں، اس کے تقویت بخش عوامل کو سمجھیں اور اس معرفت کے بعد عملی اقدام کریں۔ اہلِ بیت علیہم السلام کی نورانی سیرت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں اور اپنی زندگی کو اسی کے مطابق ڈالیں۔ ہم نے یہی کوشش کی ہیں کہ قرآن و روایات کی روشنی میں استقامت کے مختلف پہلوں کو بیان کروں تاکہ قارئین کرام کیلئے واضح ہوجائے کہ حقیقت میں استقامت کیا ہے ؟ اس راہ میں کونسی چیزیں رکاوٹ بنتی ہے اور کونسے عوامل ہیں جن کی وجہ سے استقامت کی راہ قوی و مضبوط ہو جاتا ہے ؟ اس کے انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں کیا اثرات ہے ؟ معصومینؑ کی سیرت میں اس کی کیا مثالیں ملتی ہیں ؟ ور آخر میں شہید مقاومت رہبر معظمؒ کے فرمان کو عصر حاضر میں استقامت کیلئے نمونے کے طور پر بیان کیا ہے۔

منابع و مآخذ :

قرآن کریم

نہج البلاغہ

۱. بابویہ، محمد بن علی، الخصال، قم، جامعہ مدرسین، ۱۳۶۲ش۔
۲. بابویہ، محمد بن علی، ، ثواب الاعمال، اصفہان، مرکز تحقیقات قائمیہ (۱۴۰۲) ق۔
۳. دشتی، محمد، نہج البلاغہ، قم، موسسہ فرہنگی تحقیقاتی امیر، المومنین ع (۱۳۹۴) ش۔
۴. راغب، حسین بن محمد، مفردات فی غریب القرآن، دفتر نشر الکتاب، ۱۴۰۴ق۔
۵. صدوق، محمد بن علی، ، عیون اخبار، قم، مسجد جمکران (۱۳۸۹) ش۔
۶. صدوق، محمد بن علی، علل الشرائع، قم، مومنین، ۱۳۹۱ش۔
۷. طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان، قم، بنیاد علمی و فرہنگی (۱۳۶۷) ش۔

۸. طریحی، فخر الدین، مجمع البحرین، انتشارات مرتضوی، ۱۳۶۲ش۔

۹. عاملی، محمد بن حسن، ، وسائل الشیعہ، قم، موسسہ آل البیت ع (۱۳۷۰) ش۔

۱۰. قمی، علی بن ابراھیم، تفسیر قمی، نجف اشرف، مکتبۃ الھدی (۱۳۸۷) ھ۔

۱۱. کلینی، محمد بن یعقوب بن اسحاق، اصول کافی، تھران، دار الکتب الاسلامیہ (۱۴۰۷) ق۔

۱۲. مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، ، بحار الانوار، بیروت، دار حیاء لتراث العربی (۱۴۰۳) ق۔

۱۳. محمدی ری شھری، محمد، ، میزان الحکمہ، قم، دار الحدیث العلمیہ (۱۳۲۵) ش۔

۱۴. مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، تہران، دار الکتب الاسلامی، ۱۳۷۴ش۔

۱۵. نجفی، محسن علی، تفسیر کوثر، اسلام آباد، البلاغ (2012) ء۔

۱۶. نراقی، محمد مھدی، جامع السعادات، قم، قائم آل محمد ۱۳۷۷ش۔

۱۷. نوری، حسین بن محمد، مستدرک الوسائل، قم، موسسہ آل البیب ع (۱۳۶۸) ش۔

۱۸. یعقوبی، محمد، استقامت در اندیشہ ھای مرجعیت، اصفھان، قم، ۱۳۹۹ش۔